مباہلہ کا اعجازی نشان جنرل ضیاء الحق کی ہلاکت اور پاکستانی رہنماؤں کو قیمتی نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹/اگست ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

پنجابی کے ایک صوفی منش شاعر جو پنجابی عوام میں بہت مقبول ہیں اُن کا نام میاں محمد بخش ہے۔ اُن کا ایک شعر ہے یا شعر کا ایک مصرعہ ہے کہ

؎ دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مرجاناں

اس چھوٹے سے پنجابی کے مصرعے میں بڑی حکمت بیان کی گئی اور جہاں تک مومن کی تربیت کا تعلق ہے جو قرآن اور سُنّت نے مومن کی تربیت کی ہے۔ اُس میں یہ بات بہت اچھی طرح داخل ہے اور مومن کے مزاج کا حصہ بنادی گئی ہے کہ کسی کی موت پر، کسی کے غم پر خوشی نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن اس کے باوجود بعض ایسے مواقع آتے ہیں کہ بعض خوشیوں کا موت سے تعلق بن جاتا ہے۔ فی ذاتہٖ موت خوشی کا باعث نہیں ہوتی بلکہ اُس کے پیچھے کوئی اور حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو خوب کھول کے بیان کرتے ہوئے فرمایا وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ (الروم: ۶،۵) کہ آج کے دن مومن بہت خوش ہیں۔ اس لیے نہیں کہ کسی کو شکست ہوئی ہے یا کوئی مارا گیا ہے بِنَصْرِ اللّٰهِ اس لیے کہ خدا کی نصرت اُن کی مدد کو آئی ہے۔

پس جنرل ضیاء الحق صاحب کی موت بذات خود ہرگز کسی خوشی کا موجب نہیں۔ امر واقعہ یہ

ہے کہ ہمیں اُن کے پسماندگان سے بھی ہمدردی ہے اور اُن کے ساتھ مرنے والوں کے پسماندگان سے بھی ہمدردی ہے اور میں نے جماعت احمدیہ کے سربراہ کی حیثیت سے اُن کو تعزیت کا پیغام بھی بھجوایا ہے اور بلا تردّد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے دل میں ان کے دلوں کے لیے رحم تو ہے کسی قسم کی شوخی، کسی قسم کا تمسخر، کسی قسم کی مفاخرت کا کوئی جذبہ نہیں ہے اور یہی حال میں جماعت احمدیہ کا دیکھنا چاہتا ہوں اور یہی حال میں سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کا ہے۔ خوشی بھی ہے اور ہرگز ہم اُس کا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ مومن کسی قسم کی مداہنت کی خاطر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تمام عالم میں آج احمدیوں کے دل راضی ہیں اور بہت خوش ہیں۔ کیوں خوش ہیں اس لئے نہیں کہ کوئی الف مرایا ب مرا، اس لیے خوش ہیں کہ بِنَصۡرِ اللّٰهِ کہ اللہ کی نصرت کو آتے ہوئے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ وہ جس کے انتظار میں وہ دن گِنا کرتے تھے۔ اُس نصرت کو سورج کی طرح روشن آسمان سے نازل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے اور یہ وہ تاریخی دور ہے جس میں سے آج گزر رہے ہیں۔ اس دور میں سے گزرنا ایک ایسی سعادت ہے جو قسمت کے ساتھ قوموں کو نصیب ہوا کرتی ہے۔ ایک ایسا نشان ظاہر ہوا ہے کہ جن لوگوں نے اس نشان کو دیکھا ہے اُن کی نسلیں ہمیشہ فخر سے یاد کیا کریں گی کہ ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کا یہ عظیم الشان نشان ظاہر ہوا۔

پس ہماری خوشی ہرگز کسی کی موت یا کسی کے دُکھ سے وابستہ نہیں ہے۔ اس خوشی کے باوجود ہمیں ان کی تکلیفوں کا احساس بھی ہے اور ان کی تکلیفوں کا دُکھ بھی ہے۔ مومن کے برعکس جو لوگ ایمان کی حلاوت سے آشنا نہیں ہوتے جن کو قرآن اور سُنّت کی صحیح تربیت حاصل نہیں ہوتی۔ اُن کے ردّعمل اس سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ وہ دشمن کی چھوٹے سے غم پر بگلے بجاتے، ناچتے اور تمسخر کرتے اور اُس کی چھوٹی سی خوشی پر نڈھال ہو جاتے ہیں گویا ان پر موت وارد ہوگئی ہے۔ ہم سے بالکل برعکس صورتحال احمدیت کے دشمنوں کی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دعویٰ کی سچائی اس بات میں مضمر ہے کہ خدا نے حال ہی میں دو نشان دکھائے ہیں۔ ایک دشمن کی زندگی کا اور ایک دشمن کی موت کا۔ جب ہم نے خدا کی طرف سے دشمن کی زندگی کا نشان دیکھا تب بھی ہم خوش ہوئے اور جب ہم نے اپنے مولیٰ کی طرف سے دشمن کی موت کا نشان دیکھا تب بھی ہم خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے نشان پر ہم خوش ہیں کسی کی موت اور زندگی سے ہماری خوشیوں کا کوئی تعلق نہیں۔ اس

کے برعکس وہ لوگ جن کے ذاتی تعلقات تھے گمشدہ مولوی سے جو شور مچا رہے تھے کہ اُس کی موت کا غم ہمیں ہلاک کر رہا ہے۔ جب تک ہم اُس کے خون کا بدلہ نہ لے لیں ہمیں چین نہیں آئے گا۔ اُس کی زندگی کی خوشی کی خبر سُنتے ہی اُن پر موت طاری ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہر طرف سوگ کا عالم ہو، جھوٹے کی یہ پہچان ہوا کرتی ہے اور اس طرح خدا سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز کر کے دکھا دیا کرتا ہے۔

آج جنرل ضیاء الحق صاحب کی موت پر جو یہ علماء صدمے کا اظہار کر رہے ہیں یہ وہی ہیں جو کل تک اُن کو گالیاں دے رہے تھے۔ اس لیے اُن کے اس ردّعمل نے بتا دیا کہ موت کا صدمہ نہیں ان کو اس بات کا صدمہ ہے کہ خدا کا ایک نشان احمدیت کے حق میں ظاہر ہو گیا۔ اُس کی سیاہی ان کے چہروں پر پھر گئی ہے۔

اس لیے جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرآن کریم اور سُنّت سے تربیت یافتہ ہے اور جو لوگ قرآن اور سُنّت سے تربیت یافتہ نہیں اُن میں اور ہمارے درمیان ایک ایسا امتیاز ہے، ایک ایسا فرق ہے جو ہر آزمائش کے وقت روشن ہو کر ظاہر ہوگا اور کبھی کوئی صاحب بصیرت اس فرق کو محسوس کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ چنانچہ ان دونوں واقعات پر آپ جماعت احمدیہ کا ردّعمل بھی دیکھ لیجئے اور جماعت احمدیہ کے مخالفین کا ردّعمل بھی دیکھ لیجئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم سچے ہیں، ہمارا ظاہر بھی سچا ہے، ہمارا باطن بھی سچا ہے اور ہم خدا تعالیٰ کے چہرے کی رضا کی طرف دیکھتے ہیں اور وہی ہماری خوشیوں کا موجب ہے۔ اگر وہ رضا ہمیں نصیب نہ رہے تو ہمارے لیے موت کا دن ہوگا اور خدا کرے کہ ہم ہمیشہ خدا کی رضا کی زندگی کے ساتھ زندہ رہیں (آمین)۔

اس ضمن میں میں ایک بات یہ بھی خوب اچھی طرح آپ پر کھول دینا چاہتا ہوں کہ اس واقعہ کا جو پس منظر ہے اُس سے بھی جماعت احمدیہ کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ ہمیں ہرگز شوق نہیں تھا کہ جنرل ضیاء الحق صاحب خدا کی قہری تجلّی کا نشانہ بنیں۔ چنانچہ مسلسل بار بار خوب کھلے لفظوں میں ان کو تنبیہ کی گئی بلکہ میں نے تو نجات کے رستے بھی بتائے کہ اچھا اگر آپ کو کوئی دل میں خدا کا خوف ہو اور شرم کے مارے اپنی وجاہت اور دنیا کے مرتبے کی خاطر جو حیا ہے وہ مانع ہو جائے۔ تو آپ یہ طریق اختیار کریں بچنے کا کہ ظلم وستم سے ہاتھ روک لیں بس، خاموشی اختیار کر لیں۔ ہم یہ سمجھیں گے اور ہماری دعا ہے کہ خدا کی تقدیر بھی اسی طرح آپ سے سلوک کرے کہ آپ نے چیلنج قبول کرنے سے

انکار کر دیا ہے اور اپنے ظلم سے باز آ گئے ہیں۔ چنانچہ کھلے لفظوں میں یہ سمجھایا گیا اور پھر یہ بھی کہا گیا کہ ایک لمبے عرصے سے اُن کی طرف سے جواب نہیں آیا۔ اُن کو زیادہ وقت ملنا چاہئے وہ غور کریں کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی طرح اُس وطن کا سربراہ جس وطن سے ہمارا تعلق ہے۔ ہم میں سے اکثر جو آج اس خطبے میں موجود ہیں اُن کا اُسی وطن سے تعلق ہے وہ اس طرح خدا کی قہری تجلی کا نشان بنیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کے عواقب میں پھر اور بھی خدا تعالیٰ کی ناراضگیوں کے اظہار ہوا کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑی روک تھی میرے دل میں اس لیے میں نے ان کو خوب موقع دیا۔ چنانچہ بعض اقتباسات میں سے ایک آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اُس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ جماعت احمدیہ کو شوق نہیں تھا کہ وہ خدا کی قہری تجلی کا نشانہ بن جائیں بلکہ اُن کو خوب اچھی طرح متنبہ کیا گیا اور تنبیہ کا کوئی پہلو باقی نہیں رہنے دیا گیا۔

ایک خطبے میں میں نے کہا:۔

> جہاں تک صدر پاکستان ضیاء صاحب کا تعلق ہے ان کے متعلق ہمیں ابھی ان کو کچھ وقت دینا چاہئے ابھی ابھی انہوں نے کچھ سیاسی کارروائیاں کی ہیں اور اگرچہ وہ اسلام کے نام پر کی ہیں مگر بہرحال سیاسی کارروائیاں ہیں اور ان میں وہ مصروف بہت ہیں۔ ابھی تک ان کو یہ بھی قطعی طور پر علم نہیں کہ آئندہ چند روز میں کیا واقعات رونما ہو جائیں گے۔ اس لئے ہوسکتا ہے وہ تردد محسوس کرتے ہوں کہ یہ نہ ہو کہ ادھر میں چیلنج قبول کروں ادھر کچھ اور واقعہ ہو جائے۔ اس لئے جب تک ان کی کرسی مضبوط نہ ہو جائے، جب تک وہ اپنے منصوبوں پر کاربند نہ ہو جائیں اور محسوس نہ کریں کہ ہاں اب وہ اس مقام پہ پہنچ گئے ہیں جہاں جس کو چاہیں چیلنج دیں، جس قسم کی عقوبت سے ڈرایا جائے اس کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قبول کریں۔۔۔۔ ایسے شخص کا زبان سے چیلنج قبول کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا۔ اس کا اپنے ظلم وستم میں اسی طرح جاری رہنا اس بات کا نشان ہوتا ہے کہ اس نے چیلنج کو قبول کرلیا ہے۔ اس لئے اس پہلو سے بھی وقت بتائے گا کہ کس حد تک ان کو جرأت ہے خدا تعالیٰ کے مقابلے کی اور انصاف کا خون کرنے کی۔‘‘

یکم جولائی ۱۹۸۸ء کے خطبے سے اقتباس ہے۔تو اس مضمون میں کھول کر ان کو بتادیا گیا تھا کہ اگر آپ ظلم سے بعض نہ آئے تو پھر یقیناً پکڑے جائیں گے اور اگر ظلم سے باز آ گئے اور اپنی پالیسی تبدیل کر لی تو اس کو آپ کی طرف سے چیلنج سے بچنا قرار دے دیا جائے گا دیا جاسکتا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ آپ کو نہیں پکڑے گا لیکن افسوس ہے کے انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔

چنانچہ میں نے ۱۲؍اگست ۱۹۸۸ء کو خطبہ میں چند دن پہلے یہ اعلان کیا:۔

''یہ استہزاء میں بڑھ رہے ہیں اور اپنے گزشتہ کردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر رہے''۔ یہ علماء اور مخالفین کے متعلق بیان ہے صرف خصوصیت سے ضیاء صاحب کے متعلق نہیں۔ ''استہزا میں بھی بڑھ رہے ہیں، ظلم میں بھی بڑھ رہے ہیں'' یہاں سے حکومت کا ذکر شروع ہونا چاہئے ''اور حکومت کا جہاں تک تعلق ہے وہ معصوم احمدیوں پر قانونی حربے استعمال کر کے طرح طرح کے ستم ڈھا رہی ہے اور آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آغاز ہی میں حکومت کو متنبہ کیا تھا کہ آپ اگر اپنی شان کے خلاف بھی سمجھتے ہوں چیلنج کو قبول کرنا اگر آپ زیادتیوں سے باز نہ آئے اور ظلم وستم کی یہ راہ نہ چھوڑی تو جہاں تک میں سمجھتا ہوں خدا کی تقدیر اسے مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کے مترادف بنائے گی اور آپ سزا سے بچ نہیں سکیں گے''

یہ وہ ذکر ہے جس کے چند دن کے بعد اللہ تعالیٰ کی تقدیر ظاہر ہوئی اور وہ آج دنیا میں خوب شہرت پکڑ چکی ہے۔ ۱۲؍اگست کے خطبے میں میں نے یہ بھی ذکر کیا۔

''خدا کی تقدیر لازماً ان کو پکڑے گی اور لازماً ان کو سزا دے گی جوان شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔''

بہر حال یہ ایک ایسا عظیم الشان تاریخی نوعیت کا نشان ہے جس کے اوپر ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ظاہر ہونے کے نتیجے میں شکر واجب ہو گیا ہے اور یہ شکر خدا تعالیٰ کی حمد کے ذریعے ظاہر ہونا چاہئے یعنی شکر کا اظہار اللہ تعالیٰ کی حمد کے ذریعے ہونا چاہئے۔ کثرت کے ساتھ جماعت احمدیہ کو ان دنوں میں حمد میں مصروف رہنا چاہئے اور اُس کے ساتھ ساتھ درود شریف بھیجنا چاہئے

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر کیونکہ جیسا کہ الہاماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ (تذکرہ صفحہ:۳۵) یہ ساری برکتیں جو اعزازی نشان ہیں یہ تمام کے تمام حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی سے وابستہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو خوب عمدگی سے بیان فرمایا ہے۔ جب یہ کہا کہ

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدادہم
یک قطرہ ز بحر کمال محمد است

(درثمین فارسی صفحہ:۸۹)

کہ تم جو میرے ہاتھوں سے نشانات کا ایک جاری چشمہ دیکھ رہے ہو۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بحر کمالات میں سے ایک قطرہ ہے۔

پس احمدیوں کو یہ بات نہیں بھلانی چاہئے۔ ٹھیک ہے ہم نے دعائیں کیں اور مباہلہ کر کے اپنا سب کچھ خدا کے حضور پیش کر دیا **لیکن یہ بات کبھی نہیں بُھلانی چاہئے کہ اصل طاقت ہمارے پیچھے محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعاؤں کی طاقت ہے اور آپ کے تعلق باللہ کی طاقت ہے۔ جتنا آپ اس طاقت سے وابستہ رہیں گے، اس کے قریب رہیں گے آپ طاقتور رہیں گے۔ جتنا آپ بے وقوفی سے اس ظلم میں مبتلا ہو جائیں گے کہ ہماری وجہ سے خدا نے کچھ دکھایا ہے اُتنا ہی اس طاقت کے سر چشمہ سے دور ہوں گے اور اس کی پناہ کی چھتری سے باہر نکلنے والے ہوں گے۔ اس لیے کبھی کوئی احمدی کوئی نشان دیکھ کر محمد مصطفیٰ ﷺ کی پناہ کی چھتری سے باہر نکلنے کی جرات نہ کرے** کیونکہ جس دن کسی نے اس چھتری سے باہر قدم رکھا اُسی دن اُس کی ہلاکت ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں الامام الجنۃ (بخاری کتاب الجہاد والسیر حدیث نمبر:۲۷۳۷) تو مومن کے لیے امام اُس کی ڈھال ہوا کرتا ہے اور تمام اماموں سے بڑھ کر سب آئمہ کے امام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اس لیے اگر اس ڈھال سے آپ آگے بڑھے یا دائیں اور بائیں ہٹے تو آپ تیروں کی زد میں آجائیں گے اور پھر کوئی طاقت آپ کو بچا نہیں سکے گی۔ اس لیے جتنا آگے بڑھنا ہے خوب بڑھتے رہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ کی پناہ میں اور آپ کی ڈھال کے پیچھے پیچھے چلیں اور اس پہلو سے **یہ بھی یاد رکھیں کہ خلیفہ وقت خواہ اپنی ذات میں کیسا ہی بے حیثیت کیوں نہ ہو وہ اپنے**

وقت میں محمد مصطفی ﷺ کی غلامی میں آپ کا نمائندہ ہوتا ہے۔اس لیے اُس کی ڈھال سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔جس حد تک وہ آگے بڑھتا ہے، جس میدان میں وہ آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتا ہے، اُس کے پیچھے پیچھے رہیں، اُس کا ساتھ دیں، اُس کے ساتھ چلیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہیں گے۔

اب میں اس مضمون میں کچھ وسعت پیدا کرتے ہوئے پاکستان کے حالات پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں اور بحیثیت امام جماعت احمدیہ پاکستان کے دانشوروں اور سیاستدانوں اور صاحب اقتدار لوگوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں۔

جب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے ایک امامت کھڑی کرتا ہے تو اُس امامت کی نیابت میں پھر جو بھی امام بنتا ہے اُس کی بھی راہنمائی فرماتا ہے۔اس لیے یہ روشنی جو خدا تعالیٰ عطا کرتا ہے کسی کی ذات کی طرف سے نہیں ہوتی۔اُسی امامت کی برکت سے چلتی ہے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو روشنی ملی وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی امامت کے توسط اور توسل سے ملی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ کے خلفاء کو جو روشنی ملتی ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امامت کی روشنی سے ملتی ہے۔اس لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ اس روشنی سے دوسروں کے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کریں اور ان پر صورتحال واضح کر کے جہاں تک ممکن ہے ان کی بھلائی اُن پر ظاہر کریں اور ان کی بدی کو بھی ان پر ظاہر کر دیں تا کہ وہ آنکھیں کھول کر اقدام کرنے کے اہل ہو سکیں۔میں امید رکھتا ہوں کہ جن سیاسی رہنماؤں یا دانشوروں تک میری آواز پہنچے وہ ہرگز میری اس بات کو کسی تعلی کے طور پر نہیں لیں گے۔میں بہت ہی ایک عاجز انسان ہوں، بڑی عاجزی کے ساتھ اُن کے سامنے یہ مضمون کھول رہا ہوں اور اس میں سوائے قوم اور وطن کی بھلائی کے میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

یہ جو واقعہ ظاہر ہوا ہے اس میں دو پہلو ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ:۲۱۷) بسا اوقات تم سمجھتے ہو کہ ایک بہت ہی مکروہ بات ظاہر ہوئی ہے لیکن اسی میں ایک خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ایک پہلو سے دیکھیں تو ایک قومی سانحہ ہے اور رات کی طرح بھیانک اور تاریک ہے۔پاکستان کی فوج کے چوٹی کے دماغ اس ہوائی

جہاز کے ساتھ اُڑ گئے ہیں اور اُن کے ساتھ ایک ایسا سفیر امریکہ کا بھی لقمہ اجل ہوا اور اُس کا ایک ساتھی جو اُن کے انٹیلیجنس کے مانے ہوئے تجربہ کار لوگوں میں سے تھے۔ تو جہاں تک دنیاوی سیاست کا تعلق ہے ایک بہت ہی بڑا سانحہ ہے اور بہت ہی بڑا نقصان ہے۔ کسی فوج کے پانچ جرنیل اور پانچ چوٹی کے ماہر بریگیڈیرز ایک ہی سانحہ میں ہلاک ہو جائیں تو یہ کوئی معمولی نقصان نہیں ہے، یہ تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دماغ کا مرکز اُڑ جائے اور فوج کا سربراہ بھی ساتھ شامل ہو اُس کے علاوہ۔ تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا بڑا سانحہ اور کتنا بڑا نقصان ہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے خاندان ہیں جن کو دُکھ پہنچے ہیں اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ان کے دکھ میں ہم اُن کے شریک ہیں۔ تو ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے ایک اور پہلو سے دیکھیں تو اس واقعہ کا دوسرا رُخ طلوع فجر سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی ایک پہلو اگر رات سے ملتا ہے تو دوسرا پہلو صبح کے پھوٹنے سے ملتا ہے کیونکہ ایک لمبی رات کہ بعد بالآخر وہ وقت قوم کو نصیب ہوا ہے جو طلوع فجر سے مشابہت رکھتا ہے اور امکان ہے کہ ایک دن اس کے بعد آئے جو سارے اندھیرے دور کر دے اور ہر قسم کے غموں کو دور کر دے، ہر قسم کی تاریکیوں کو ہٹا کر روشنیاں لے آئے لیکن قوموں کے معاملات میں رات اور دن اس طرح آگے پیچھے نہیں آیا کرتے۔ جس طرح قانون قدرت میں ہمیں آگے یا پیچھے آتے دکھائی دیتے ہیں۔ قانون قدرت میں رات اور دن اس لیے باقاعدگی سے آتے ہیں کہ خدا کی تقدیر باقاعدہ ہے اور خدا کی سُنّت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، اُس کا انتظام کامل ہے اُس میں کوئی رخنہ نہیں لیکن قوموں کے رات اور دن اُن کے اپنے اعمال سے وابستہ ہوا کرتے ہیں۔ اُن کی بے قاعدگیاں ان دنوں اور راتوں کے تسلسل کو بے قاعدہ کر دیا کرتی ہیں۔ اُن کی بے ضابطگیاں ان راتوں اور دنوں کے معاملات میں بے ضابطگیاں پیدا کر دیا کرتی ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں ہوا کرتا کہ رات کے بعد ضرور دن چڑھے۔ بعض اوقات رات کے بعد اگر دن چڑھتا بھی ہے تو رات سے زیادہ بدتر دن چڑھتا ہے۔ یعنی رات کے زیادہ مشابہ ہوتا ہے دن کی روشنی اُس میں کم پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور قوم کے سربراہوں کو خوب اچھی طرح اس صورتحال کا تجزیہ کرنا چاہئے اور پھونک پھونک کے اس میدان میں قدم رکھنا چاہئے۔ آج اگر یہ موقع ہاتھ سے جانے دیا گیا تو ہو سکتا ہے اس گیارہ سالہ رات کے بعد ایک اور لمبی رات قوم کے اوپر مسلط کر دی جائے اور جہاں تک

بیرونی طاقتوں کا تعلق ہے وہ یہی کوشش کر رہی ہیں اور اس کوشش میں آئندہ چند دنوں میں زیادہ تیزی اختیار کریں گی۔

یہ کہنا کہ ۱۶ رنومبر کا دن پاکستان کے لیے آزادی کی خوشخبری لائے گا، یہ کہنا کہ ۱۶ رنومبر کا دن پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کا دن ہو گا ایک سادہ سا خیال ہے۔ اس میں پختگی نہیں ہے۔ جب تک ہم اس بات کا تجزیہ نہ کریں کہ ہم سے اس سے پہلے کیا ہوتا رہا ہے۔ اُس وقت تک ہم آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کے اہل نہیں بن سکتے۔ سوال یہ ہے کہ یہ جو اندرونی غلامی ہے ہمیں جو نصیب ہوئی ایک لمبے عرصہ تک، کیا اندرونی محرکات کے نتیجے میں ہوئی یا کچھ بیرونی محرکات بھی ہیں؟ کون سی زنجیریں ہیں جو ہمیں پہنائی گئی ہیں اور ۱۶ رنومبر کے دن اب کیا معجزہ ہو گا جو یہ زنجیریں توڑ دے گا؟ پہلی بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جب تک بیرونی غلامی کی زنجیروں کو ہم نہیں توڑتے ہم نہیں آزاد ہو سکتے اور بیرونی غلامی کی زنجیروں میں امریکہ کی غلامی کی زنجیریں ہیں اس وقت جنہوں نے قوم کو ہر طرف سے باندھ رکھا ہے اور یہ وہ زنجیریں ہیں جنہوں نے ہماری فوج کو بھی جکڑا ہوا ہے اور جب فوج مسلط کی جاتی ہے تو کٹھ پتلی کی طرح مسلط کی جاتی ہے۔ وہ خود بندھی ہوئی ہے اور جہاں تک پاکستان کے عوام کا تعلق ہے اُس پر دوہری زنجیروں کا بوجھ پڑ جاتا ہے۔ ایک آقا کی زنجیریں اوپر سے اُس کے غلام کی زنجیریں۔ سوال یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد اچانک یہ زنجیریں کیسے ٹوٹیں گی۔ کیا امریکہ اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کر لے گا؟ جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جہاں تک میں نے بین الاقوامی خبروں کا مشاہدہ کیا ہے۔ اُن کے یہ بد ارادے خوب کھل کر مجھے دکھائی دینے لگے ہیں کہ وہ دوبارہ دخل دیں گے اور ہر قیمت پر یہ کوشش کریں گے کہ پاکستان پر دوبارہ فوج مسلط کر دی جائے اور اس کے لیے کسی قسم کے بہانے ان کو مہیا کیے جائیں۔ اس لیے محض ۱۶ تاریخ کا انتظار کرنا کافی نہیں ہے۔ معاملے کو خوب اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اس کے متعلق مناسب کارروائیاں کرنی چاہئیں۔

اس لئے میں اس معاملے کو نسبتاً زیادہ کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ پاکستانی فوج کی اکثریت محبّ وطن ہے اور قوم کے لیے فوج کو اپنی نفرت کا نشانہ بنانا جائز نہیں کیونکہ اگر قوم پاکستانی فوج کو اپنی آنکھیں بند کر کے اپنی نفرت کا نشانہ بناتی رہے گی تو دشمن کے ہاتھ مضبوط کرے گی

اور فوج میں یہ احساس پیدا کرے گی کہ ہم اپنے ہی ملک میں خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جس وقت ہم طاقت سے باہر نکلیں گے ہماری قوم ہم سے انتقام لے گی اور جوں جوں یہ احساس فوج میں بڑھتا چلا جائے گا آپ کے آزاد ہونے کے امکانات دور تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اس لیے یہ مہم چاہے سندھ سے جاری ہو یا بلوچستان سے جاری ہو یا صوبہ سرحد سے جاری ہو یا پنجاب میں داخل ہو جائے ملک کے لیے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اس وقت فوج سے گفت وشنید کا وقت ہے، فوج کو بعض باتیں سمجھانے کا وقت ہے۔ ٹھنڈے دل کے ساتھ اس میں جذبات سے بالا ہو کر آپ کو کارروائی کرنی ہوگی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ غلام ملکوں کو انکی اپنی فوجوں کے ذریعہ مزید غلام بنایا جاتا ہے۔ ایک ہاتھ سے آزادی دی جاتی ہے، دوسرے ہاتھ سے وہ آزادی چھین لی جاتی ہے اور اُن کی اپنی ہی فوجوں کو اُن پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔ ایک ایسی بھیانک شکل ہے جس شکل کو خوب کھول کر پاکستانی عوام کو اور اُن کے راہنماؤں کو اپنی فوج کے سامنے رکھنا چاہئے۔ چند ایک ایجنٹس ہوتے ہیں جن کی ہم تعیین نہیں کر سکتے اللہ بہتر جانتا ہے اُن میں سے کون ہیں لیکن ہوتا یہ ہے کہ کوئی بیرونی طاقت کسی ملک کے دفاع پر قابض ہو جاتی ہے۔ اُس کی مدد کے بہانے اور جب دفاع پر غیر قومیں قابض ہو جائیں تو خطرے کی جو بھی گھنٹی بجتی ہے اُس کی آواز اُن کانوں میں پڑتی ہے جو بظاہر حفاظت کے لیے مقرر کیے گئے ہیں لیکن دراصل وہ خود قوم کے لٹیرے بن چکے ہوتے ہیں جنہوں نے بچانا تھا وہ اگر قابض ہو چکے ہوں تو بچائے گا کون؟ اس لیے فوجوں کی غلامی جو غریب ملکوں پر مسلط کی جاتی ہے اس سے بچنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کی شکل بالکل ایڈز جیسی بیماری سے ملتی جلتی ہے۔ ایڈز بیماری جس کا آج کل بڑا چرچا ہے اُس کے خلاف سائنسدان اس لیے کوئی کارروائی نہیں کر سکتے کہ بیرونی جراثیم جسم کے صحت مند حصوں پر براہ راست قابض نہیں ہوتے بلکہ جسم کے دفاعی نظام پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اس لیے خطرے کی گھنٹی بجتی ہے تو وہ خود خطرہ میں اپنے لیے۔ دفاع اُن کے قبضے میں ہوتا ہے۔ وہ دفاع کو اپنے خلاف حرکت میں آنے نہیں دیتے کیونکہ دفاع پوری طرح اُن کے اپنے کنٹرول میں آجاتا ہے۔

اس لیے یہ بہت ہی بڑی خطرناک شکل ہے جو آج کل بد قسمتی سے تیسری دنیا کا مقدر بنی

ہوئی ہے۔اُن پرفوجیں مسلط کی جاتی ہیں اور بدنصیبی کی حد یہ ہے کہ آج کل ٹیلی ویژن کے اوپر کھلے لفظوں میں ان قوموں کے سربراہ اور بڑے بڑے لوگ یہ تبصرے کرتے ہیں کہ نہیں پاکستان کو کچھ نہیں ہوگا ان پرضرور کوئی جرنیل آجائے گا۔کچھ نہیں ہوگا سے مراد یہ ہے کہ سب کچھ ہو جائے گا۔یعنی بچ نہیں سکتا فکر نہ کرو پاکستان کو ہم نہیں بچنے دیں گے۔ضرور ان میں طاقتور جرنیل موجود ہیں۔وہ اُٹھیں اور اُس قوم پر قابض ہو جائیں یہ وہ ہلاکت ہے۔جس سے بڑھ کر کوئی ہلاکت تصور نہیں ہوسکتی۔آپ گھر میں چوکیدار رکھیں کہ آپ کی حفاظت کریں گے اور چوکیدار مالک بن جائیں اور آپ کو اپنا غلام بنا لیں اور آپ کو اپنی پرورش کرنے پر لگا دیں۔آپ کے اموال کے مالک بن بیٹھیں،آپ کی محنت کا بہترین پھل کھانے لگیں۔آپ کی آنکھوں کے سامنے اور اتنے طاقتور ہو جائیں وہ آپ کا خون چوس چوس کے کہ آپ کے تصّور میں بھی یہ بات نہ آسکے کہ اُن کا مقابلہ کر سکیں۔یوں اس مثال کو بیان کیا جائے تو کتنی بھیانک نظر آتی ہے لیکن بعینہٖ اسی طرح کے واقعات کسی تیسری دنیا میں ہو جاتے ہیں اور محبّ وطن فوجی بھی یہ نہیں سوچتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔جب امریکہ کے ایک پروگرام میں میں نے سُنا امریکی ایک بڑے لیڈر کو یہ کہتے ہوئے کہ نہیں بڑا امکان اس بات کا موجود ہے کہ پاکستان میں سے کوئی جرنیل اُٹھے مرد اور وہ صورتحال کو قابو میں لے آئے۔تو مجھے یوں لگا جیسے میری آزادی ضمیر کے منہ پر کسی نے طمانچہ مارا ہے۔میرے وطن کی محبت کے منہ پر کسی نے طمانچہ مارا ہے۔اس قدر تکلیف دہ یہ صورتحال ہے۔ان بدبختوں سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر کوئی باہر کے ملک تمہارے کسی سربراہ کے مرنے پر ایسے تبصرے کریں کہ کوئی بات نہیں امریکہ پر بھی فوج قابض ہو جائے گی۔کوئی بات نہیں،انگلستان پر بھی فوج قابض ہو جائے گی،کوئی حرج کی بات نہیں،فرانس پر فوج قابض ہو جائے گی،جرمنی پر فوج قابض ہو جائے گی،روس پر اُس کی فوج قابض ہو جائے گی تو تمہیں کیا محسوس ہوگا۔وہ تمہارا ہمدرد ہے یا کوئی بے حیا دشمن ہے۔

پس تم جب یہ کہتے ہو تو ہم کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ تم پاکستان کے عوام کے ساتھی اور اُن کے دوست ہو۔سوائے اس کے کہ وہ دشمن ہو اور بے حیا دشمن ہو وہ ایسی بات نہیں کر سکتا۔اگر ایسا ہی یہ نسخہ ہے اعلیٰ درجے کا تو اس میں سے وہ اپنی خرابیاں دور کرنے پر کیوں استعمال نہیں کرتے کیوں صدروں کے انتخابات پر اتنا وقت ضائع کر رہے ہو اور ارب ہا ارب ڈالرز ضائع کر رہے ہو۔تمہیں چاہئے کہ تم فوج کو

اپنے اوپر مسلط کرلو سب بیماریوں کا حل ہے، سب گندگیاں اس سے دور ہو جائیں گی کالے اور سفید کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے، سارے تمہارے مسائل آن واحد ختم ہو کر نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم آزادی کا دم لو گے کہ اچھا پھر ہماری فوج جو صاف ستھری اور پاکیزہ عناصر پر مبنی ہے وہ ہم پر مسلط ہو گئی ہے۔

آزاد ملک اس نسخے کو استعمال نہیں کرتے ۔ یہ بات ہمارا سیاستدان نہیں سمجھتا اور اس بات کو ان کے منہ پر نہیں مارتا نتیجۃً ایک سیاست میں آزادی کا بحران پیدا ہو جاتا ہے ۔ سیاستدان ان غریب ملکوں کا سیاستدان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جب تک ان طاقتور ملکوں کو ہم خوش نہیں کریں گے ۔ اُس وقت تک یہ طاقت فوج سے ہماری طرف منتقل کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ یہ سب سمجھتے ہیں اچھی طرح کہ فوج بھی ان کی غلام ہے اور ہم بھی ان کے دست نگر ہیں، ان کے رحم و کرم پر ہیں ۔ یہ سمجھنے کے بعد پہلے اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں اور پھر بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں کے لیڈر اندر اندر خفیہ مذاکرات ان طاقتوں سے کرتے ہیں جو ہماری آزادی کو چھیننے والی ہیں اور اُن کو کہتے ہیں کہ دیکھو ہم تمہاری رائٹ سائیڈ پر ہیں ۔ ہم اچھے لوگ ہیں فکر نہ کرو، ہم پالیسیوں کو تبدیل نہیں کریں گے، تم ہمیں اوپر آنے دو۔ وہ یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ جب تک ان کی مرضی کی اطلاع فوج کو نہیں ملے گی فوج اقتدار کو ہمارے سپرد نہیں کرے گی ۔ گویا کہ دوسرے لفظوں میں فوج کی بالا دستی کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں ۔ تو جب زندگی کے سفر کا پہلا قدم یہ ہے کہ دو آقاؤں کی بالا دستی کو تسلیم کیے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے اور پہلے قدم پر آپ نے یہ تسلیم کر لیا تو پھر قوم کی آزادی کی باتیں کرنے کا آپ کو کیا حق ہے ۔ کس طرح آپ قوم کو یہ دعویٰ دے سکتے ہیں کہ ہم آئیں گے تو ہم تمہیں ہر قسم کے مصائب سے، ہر قسم کے دکھوں سے آزاد کر دیں گے ۔ ایک غلام لیڈر کے جانے سے کیسے کام بنے گا اگر بعد میں دوسرا غلام راہنما آگے آجائے اور اُس کے جانے سے کیا ہوگا اگر اُس کے بعد تیسرا غلام لیڈر آگے آجائے اس لیے صورتحال کو خوب اچھی طرح کھولنا چاہئے یعنی کھول کے دیکھنا چاہئے ، اس کا تجزیہ کرنا چاہیے اور سیاسی پالیسی اقتدار میں آنے سے پہلے بنی چاہئے اور عوام الناس کے سامنے اس کو خوب کھول کر بیان کرنا چاہئے کہ اس مصیبت میں کون گرفتار ہے ۔ جہاں تک ہمارا بس چلے گا یا چل سکتا ہے ۔ ہم یہ کاروائی کریں گے تمہیں آزادی دلانے کے لیے ۔ تجزیہ بذات خود ایک علاج ہوا کرتا ہے اگر صحیح تجزیہ ہو جائے تو بعض دفعہ معمولی سی کوشش سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔

اس لیے میں قوم کے سیاستدانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ صورتحال کو سمجھیں اور اس کا صحیح علاج تجویز کریں۔ یہ بھی غلط ہے کہ ہم امریکہ سے نجات پانے کے لیے عوام الناس میں امریکہ کے خلاف اشتعال انگیزی کریں اور نفرت پھیلائیں۔ عالمی سیاست میں ہمارا ایک مقام ہے۔ اُسے ہمیں بھولنا نہیں چاہئے اور وہ کمزوری کا مقام ہے۔ عالمی سیاست میں ہم یہ اختیار نہیں رکھتے کہ ایک کو دشمن سمجھیں اور دوسرے کو دوست سمجھیں۔ اگر ہم عقل سے کام لیں گے تو دونوں دوست ہو سکتے ہیں اور اگر عقل سے کام نہیں لیں گے تو دونوں دشمن ثابت ہوں گے۔ عالمی سیاست پر Might is Right کا قانون ہے، طاقت کا قانون جاری ہے۔ کوئی رحم و کرم کا قانون ان میں نہیں چلتا۔ اس حقیقت کو سمجھ کر آپ کو اپنے لیے آئندہ راہیں معین کرنی ہے۔ اس سے بہتر وقت، آج جو وقت آیا ہے یہ آپ کو کبھی بھی نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ جو باتیں ہو رہی ہیں کہ سبوتاژ ہو گیا۔ اب آرمی انٹیلی جنس اس بات کو زیادہ زور سے بیان کر رہی ہے کہ یہ دراصل آئندہ سیاست کو اختیار میں آنے سے روکنے کا ایک ذریعہ ہے، ایک بہانہ ہے۔ اگر اس بات کو آگے بڑھائیں اور امریکہ سے بھی ماہرین آ کے یہ کہہ دیں کہ کہ ہاں یہ تو سبوتاژ تھا یعنی کسی دشمن نے خفیہ طور پر بم رکھ دیا یا میزائل سے اس جہاز کو اُڑا دیا تو فوج کے لیے یہ بہانہ اچھا ہے کہ ہمارے سربراہ کو تو انہوں نے مارا ہے۔ چونکہ پاکستانی سیاستدانوں نے مروایا ہوگا یا غیروں کے ساتھ مل کر کیا ہوگا اس لیے ہمیں اعتبار نہیں رہا۔ کئی بہانے بنائے جا سکتے ہیں۔ آج اور سولہ نومبر کے درمیان ابھی کافی فاصلہ ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام آباد ان دنوں بین الاقوامی سازشوں کا اکھاڑا بننے والا ہے۔ بڑی بڑی طاقتوں کے نمائندے وہاں پہنچیں گے اور ساز باز کریں گے اور ہر طرح کوشش کی جائے گی کہ پاکستانی عوام کو اُن کی آزادی سے محروم رکھا جائے۔

اس لیے بہت واضح جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اس کا علاج کیا ہے اس کا جو علاج نہیں ہے وہ میں نے آپ کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ عوام الناس کو بھڑکا کر کسی ایک بڑی طاقت کے خلاف نفرت پیدا کرنا اور بظاہر اُس سے ٹکر لینا یہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ آپ امریکہ سے متنبہ تو رہ سکتے یہ تو آپ بیدار مغزی کے ساتھ یقین کر سکتے ہیں کہ ہمارا دوست نہیں ہے جب تک ہمارا محتاج ہے تب تک ہمارا دوست ہے۔ جہاں ہم نے غلطی کی اس کو اور اس کو ہماری احتیاج نہ رہی یہ ہمارا دوست نہیں رہے گا۔ ہمیں حکمت کے ساتھ اس سے معاملہ کرنا ہوگا۔ اُس وقت تک امریکہ کو دوست

رکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح روس کا حال ہے،اسی طرح ہندوستان کا حال ہے۔ان تین بڑی طاقتوں میں ہم گھرے ہوئے ہیں اور کوئی محض اپنے جذباتی طور پر آپ سے تعلق کی خاطر آپ کا دوست نہیں ہے نہ ہوگا کبھی۔ان تینوں طاقتوں میں سے کسی ایک کو دشمن بنانا پاکستان کے حق میں اچھا ثابت نہیں ہوسکتا۔اس لیے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں کہ امریکہ سے کہیں کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اُس سے باز رہو۔اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے تعلقات تم سے درست ہوں تو ہم تمہارے دشمن نہیں بنیں گے یہ ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں۔اس لیے بھی یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے پاس چارہ ہی کوئی نہیں ہم تمہارے دشمن بن سکتے ہی نہیں ، بے اختیار قوم ہیں بیچارے۔سوطرح کی احتیاجیں ہیں تمہارے ساتھ۔تمہیں کیوں وہم ہے کہ سیاست اوپر آگئی تو وہ تمہاری دشمن ہو جائے گی ،دشمن ہو نہیں سکتی۔ہمارے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان تینوں بڑی طاقتوں سے دوست کے دوست بنے رہیں۔اس لیے ہم تم پر خوب واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی بند کردو تو ہماری طرف سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔بہتر تعلقات کے امکانات ہیں، بدتر تعلق کا کوئی احتمال نہیں لیکن خوب اچھی طرح یادرکھیں کہ اگر غلطی سے ان کو یہ احساس دلایا گیا جیسا کہ دلایا جاتا ہے بعض اوقات کہ تم ہمارے دشمن ہو تم نے ہمیں غلام بنایا ہم تمہیں اُتار کے نکال کر باہر ماریں گے اور تمہارے ساتھ تعلقات ختم کرلیں گے اور روس کی طرف چلے جائیں گے تو یہ ساری کھوکھلی باتیں ہوں گی۔نقصان کے سوا اس سے آپ کو کچھ نہیں پہنچے گا کیونکہ روس کی طرف اگر جانا بھی چاہیں تو روس آپ کو ہندوستان کے مقابل پر قبول نہیں کرسکتا۔اُس کے لیے فیصلہ کرنا ہے دو چیزوں کے درمیان۔یعنی ترجیحی فیصلہ کرنا ہے یا ہندوستان کو اختیار کریں یا آپ کو اختیار کرے کیونکہ آپ دونوں کے درمیان تو وہ کوے اور غلیلے جیسا بیر ہے اور جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں آسکتیں۔اس طرح ایک دوستی کے دائرے میں اس وقت ،سر دست ہندوستان اور پاکستان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔اس لیے مجبوراً روس کو اختیار کرنا ہوگا کسی ایک کو اور جہاں تک ترجیح کا تعلق ہے وہ لازماً ہندوستان کو ترجیح دے گا۔

اس لیے امریکہ سے دوستی توڑ کر آپ کا یہ خیال کہ آپ کو ہندوستان کے جبر اور ظلم سے بھی روس بچالے گا یہ بالکل ایک باطل خیال ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔آپ بے دوست ہو جائیں گے پھر، بے سہارا ہو جائیں گے اور دوسری طرف اس کے اور نقصانات بھی ہوں گے کیونکہ بیرونی

سیاست کا صرف دخل نہیں ہوا کرتا قوموں کی بہبود میں، اندرونی طور پر بھی اُس کے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔ جب آپ کسی ایک قوم کے خلاف خواہ اُس نے آپ سے اچھا سلوک کیا ہو یا نہ کیا ہو نفرت کی تعلیمیں دیتے ہیں تو آپ کی قوم اندر سے پھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ دو انتہائیں آپ کی قوم میں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک رائٹیسٹ کہلاتے ہیں ایک لیفٹسٹ کہلاتے ہیں اور بالآخر قوم دونیم ہو جاتی ہے۔ اگر تو فیصلہ ہو جائے کسی وقت اور ایک گروہ بہت زیادہ قوت کے ساتھ غالب آ جائے تو پھر نتیجہ نکلا کرتا ہے کہ ایک کمزور گروہ بیچارے کا قتل عام ہو جاتا ہے۔ اپنے ہی ہم وطنوں کے ہاتھ اور اُن کو بری طرح سے ملیا میٹ کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ برابر رہیں یا فیصلہ کن فرق نہ ہو تو مسلسل ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رہتے ہیں اور قومی مفادات کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ تو Polarisation تیسری دنیا کے ممالک کے لیے ایک زہر قاتل ہے اور نہایت ہی مہلک چیز ہے۔ اس لیے نفرت خواہ روس کے خلاف پھیلائی جائے، خواہ امریکہ کے خلاف پھیلائی جائے قوم کو بانٹ دے گی اور قوم کے لیے بالآخر نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اس وقت یکجہتی کی ضرورت ہے ایک قومی حکومت کی ضرورت ہے، قومی سیاست کی ضرورت ہے۔ پہلے تھوڑا پاکستانی، پاکستان کے خلاف بٹا ہوا ہے۔ کہیں کوئی سندھی ہے، کہیں بلوچی، کہیں پنجابی، کہیں پٹھان۔ پھر ذاتوں میں بٹا ہوا ہے، پھر فرقوں میں بٹا ہوا ہے، پھر سیاسی تصورات میں پہلے کئی قسم کے تصورات میں بٹا ہوا ہے۔ پھر فوجی غیر فوجی میں بٹا ہوا ہے، پھر مہاجر غیر مہاجر میں بٹا ہوا ہے۔ اتنے رخنے ہیں ہماری وحدت میں کہ ان رخنوں پر اضافہ کرتے ہوئے قوم کو مزید رخنوں میں مبتلا کرنا اور قوم کے درمیان مزید فاصلے پیدا کرنا ہمارے لیے لازماً ہلاکت کا موجب بنے گا۔

اس لیے اب ایسی جستجو کریں کوئی ایسے طریق اختیار کریں کہ قوم اکٹھی ہونے کی باتیں شروع کرے اور ایک وحدت پر جمع ہونے کے خیالات کو فروغ ملے۔ یہ سب سیاستدانوں کی ذمہ داری ہے۔ خالی ۱۶ر نومبر کا انتظار تو کوئی انتظار نہیں ہے۔ پھر جب آپ فوج کے اس رویے کو دیکھتے ہیں اور کُھل کر فوج کو یہ نہیں کہتے کہ اگر تم نے خیرات کے طور پر ہمیں حکومت دینی ہے یا امریکہ کے ایماء پر ہمیں حکومت دینی ہے تو ہم یہ حکومت نہیں لیں گے۔ اُس وقت تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ طاقتور جب اپنی طاقت کو خود چھوڑتا ہے وہ ہمیشہ اس بات کی یقین دہانی پر چھوڑتا ہے کہ میں جب

چاہوں اس طاقت کو واپس لے سکتا ہوں اور اس شرط کے ساتھ چھوڑتا ہے۔

چنانچہ اس سے پہلے جونیجو صاحب کی حکومت اسی قسم کی سیاسی خودکشی کر چکی ہے اور 8th Amendment میں جو آٹھویں ترمیم میں بل منظور ہوا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اُس طاقتور کو یہ تمام اختیارات دے دیئے کہ جب چاہیں آپ یہ ساری طاقت ہم سے چھین لیں تو بالکل بے طاقت ہو کے رہ گئے۔ ایک ایسا تضاد پیدا ہوا پاکستان کی سیاست میں کہ اُٹھے تھے عوام کے پلیٹ فارم سے اور فوج کی چھت سے لٹک گئے اور دعویٰ یہ کیا کہ ہم Democracy کی آزادی یعنی جمہوریت کی آزادی کے علمبردار ہیں۔ اگر عوام نے چُنا تھا تو عوام کے پلیٹ فارم پر کھڑے رہنا چاہئے تھا اور ہرگز طاقت حاصل کرنے کی خاطر کسی قسم کی کوئی مفاہمت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ دوٹوک فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔ ہم عوام کے انتخاب پر آئے ہیں بلا مشروط طاقت لیں گے اور اگر نہیں دینی بلا شرط طاقت تو ہم واپس جاتے ہیں عوام میں۔ ہمیں اپنی ذات کے لیے کوئی طاقت نہیں چاہئے۔ اگر یہ فیصلہ اُس وقت ہو جاتا تو جو واقعات بعد میں رونما ہوئے ہیں ہرگز رونما نہ ہوتے۔ کئی قسم کی جو مصیبتیں بعد میں پاکستان پر پڑی ہیں وہ ہرگز نہ پڑتیں۔ اس لیے دوسری تنبیہ میری یہ ہے کہ فوج سے معاملہ کرتے وقت یہ ہرگز نہ کریں کہ فوج ہمیں دے گی تو ہم راضی ہوں گے۔ چنانچہ اسی لیے آپ حیران ہوں گے یہ دیکھ کر کہ وہ سیاسی پارٹیاں بھی جو فوج سے اندرونی طور پر سخت متنفر اور بے زار ہیں وہ بھی کھلم کھلا فوج پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اُن کے لیے تیسری راہ کوئی نہیں ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کیا تو کھل کر تبصرہ کر سکتے ہیں حالانکہ یہ میں مشورہ نہیں دے رہا۔ جب ایسا تبصرہ کریں گے تو فوج متنبہ ہوگی اور زیادہ بدکے گی، اُس کو خطرات محسوس ہوں گے آپ کی طرف سے اور وہ چند جرنیل جو فوج کے نام پر قابض ہوا کرتے ہیں اُن کے ہاتھ مضبوط ہوں گے۔

فوج کی رائے عامہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ کھلے کھلے بیانات کے ذریعے اخبارات کے ذریعے یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ہماری فوج کی اکثریت وفادار ہے، ہماری فوج کی اکثریت آج بھی ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے جب بھی ملک کے مفاد میں تقاضا ہوگا یہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمارے سپاہی وفادار ہمارے اکثر افسران وفادار، ان بیچاروں کو ان کے فوج کے ڈسپلن، اُس کے نظم و ضبط نے ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے کہ جو ایک دفعہ اوپر

آجائے اُس سے یہ باہر نہیں جاسکتے اور فوجوں کی بقا کے لیے یہ ضروری ہوا کرتا ہے۔اس لیے ایسی مشینری ہے جو بے اختیار ہو چکی ہے۔آپ کیوں ساری مشینری کے ہر کل پرزے کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جب بھی آپ باتیں کرتے ہیں اندرونی طور پر اُس کی Information انٹیلی جنس کے ذریعے فوج کو پہنچتی ہے خواہ وہ سندھ میں باتیں ہو رہی ہوں یا بلوچستان میں یا سرحد میں یہ سب اچھی طرح باخبر ہوتے ہیں کہ یہ منصوبے بنا رہے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آئیں سہی پھر ہم ان کو مزہ چکھائیں گے۔ پھر جب یہ اعلان ہوتے ہیں کہ فوج کم کر دی جائے اور اُس کی طاقت ختم کر دی جائے ،ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ یہ ساری تنبیہات ہیں جو فوج کو پہلے سے مل رہی ہیں اور یہ علاج نہیں۔علاج یہ ہے کہ فوج کو بتائیں کہ تم بڑے ظلم کرنے والے ہو تمہیں پتا ہی نہیں کہ عالمی سیاست میں ہو کیا رہا ہے۔تم غیر قوموں کے آلہ کار بن گئے ہو۔تمہیں یہ پتا نہیں کہ تم کس لیے کیا کر رہے ہو،تمہاری Direction نہیں رہی۔کوئی تمہارا رخ معین نہیں ہے اور آنکھیں بند کر کے بیرونی طاقتوں کے آلہ کار بنتے ہوئے اپنے وطن کے اوپر تم مسلط ہو گئے شرم نہیں آتی تمہیں،کوئی حیا باقی نہیں رہی کہ جس فوج کو غیر قوموں کے تسلط سے بچانے کے لیے قائم کیا گیا تھا اور ساری قوم اپنا خون پلاتی ہے تمہیں اس وجہ سے کہ تم ہمیں غیروں کے تسلط سے محفوظ رکھو،اُس پر تم خود مسلط ہو گئے ہو۔فوج کا ضمیر آج بھی زندہ ہے اُسے جھنجوڑیں تو سہی۔فوج کی بھاری اکثریت سمجھے گی اس بات کو بغیر خون خرابے کے،بغیر ان کے خلاف نفرت کی تعلیم دیئے ،ان کے اندر ایک شعور بیدار ہوگا۔ یہ اپنے افسروں کو کہیں گے کہ ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ابھی چند دنوں ہوئے ہم نے آزادی حاصل کی تھی اور اپنی آزادی کے اوپر ہم خود تبر بن کے پڑیں اور آزادی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ آواز اگر باہر سے اُٹھے گی تو فوج میں مدافعت پیدا کرے گی۔ اگر فوج کے اندر سے اُٹھنی شروع ہوئی تو یہ آواز فوج کو آزادی کا احساس دلائے گی ،اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلائے گی۔اس نعرہ کے خلاف مدافعت پیدا نہیں ہوگی بلکہ اس کے حق میں مزید فوجی اور آوازیں بلند کرنا شروع کر دیں گے یعنی ایک آواز بڑھتے بڑھتے دو تین چار آوازوں میں تبدیل ہوگی اور یہ اعلان کرنا اخبارات میں ایسے بیان دینا ہرگز ملک کے مفاد کے خلاف نہیں ہے،کوئی قانون شکنی نہیں ہے۔آپ کوئی نفرت کی تعلیم نہیں دے رہے۔آپ یہ معاملہ کھول کے بیان کر رہے ہیں کہ دیکھو یہ ہو رہا ہے ایسا نہ کرو۔تم کر سکتے

ہو مگر ہم تمہیں تمہارے ضمیر کا واسطہ دیتے ہیں، تمہارے وطن کی محبت کا واسطہ دیتے ہیں۔ تمہاری ماؤں اور بہنوں کی عزت کا واسطہ دیتے ہیں، تمہارے بلکتے ہوئے بچوں کا واسطہ دیتے ہیں کہ خدا کے واسطے اپنی ہی قوم کی آزادی کو نہ لوٹو۔ چھین سکتے ہو کیوں نہیں چھین سکتے۔ طاقت کی بحث نہیں ہے مگر اگر چھینو گے تو ہمیشہ کے لیے ملعون بن جاؤ گے، ہمیشہ کے لیے تاریخ میں عبرت کا ایک نشان بن جاؤ گے۔ میر جعفر کے نام کی طرح تمہارے نام پر لعنتیں ڈالی جائیں گی۔ تمہارا نام میر صادق کا نام بن کر دوبارہ اُبھرے گا۔ یہ بتاؤ اس قوم کو کیا کسی باپ کو اختیار نہیں کہ اپنے معصوم بچے کو دیوار کے ساتھ ٹکرا کر اُس کے دماغ کا بھیجا باہر نکال دے، اُس کے سر کو پارہ پارہ کر دے ممکن کیوں نہیں طاقت ہے۔ پر کس صاحب ضمیر انسان میں یہ طاقت ہے بتایئے۔ ہاں اگر ضمیر مر جائے اور انسان پاگل ہو جائے اور کوئی سوچ باقی نہ رہے۔ جذبات تباہ ختم ہو چکے ہوں تو پاگل مائیں بھی بعض دفعہ اپنے بچوں کا سر دیوار سے پٹخ کر اُس کا بھیجا باہر نکال دیتی ہیں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ امریکہ میں ایسے واقعات ہوئے میں نے خود پڑھے ہیں کہ ایک ماں نے خود اپنے بچے کا سر دیوار سے پٹخا اور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے اور اُس کا بھیجا باہر نکل کر پھیل گیا۔ ایسا مکروہ منظر لوگوں نے دیکھا۔

تو کیا پاکستانی فوج کے لیے یہی مقدر رہ گیا ہے؟ کون کہتا ہے کہ تم میں طاقت نہیں ہے۔ مگر یاد رکھو تم نے یہ طاقت ہم سے حاصل کی ہے اپنی بیویوں سے، اپنے بچوں سے، اپنی ماؤں سے حاصل کی ہے۔ قوم کے کمزور مزدوروں سے حاصل کی ہے۔ ان غریبوں سے حاصل کر کے پھر تم اس پر مسلط ہو جاؤ کوئی تم میں شرم باقی نہیں۔ اس لیے غیرت کے نمونہ کا اظہار کرو اپنی حمیت کا اظہار کرو قوم کی آزادی کی خاطر جو تمہاری اپنی آزادی کا پیغامبر ہے۔ تم قوم کو آزادی دلاؤ اس کے بغیر نہ کبھی تم باضمیر انسان کے طور پر زندہ رہ سکتے ہو، نہ ایک باضمیر فوج کے طور پر تم میں زندہ رہنے کی اہلیت رہے گی۔ ایسی فوجیں جو اپنے عوام پر مسلط ہوں لازماً باہر سے طاقت حاصل کیا کرتے ہیں یہ نقطہ کیوں نہیں سمجھتے یہ لوگ۔ کبھی دنیا میں کوئی فوج باقی نہیں رہ سکتی جب تک اُس کی طاقت کا کوئی سرچشمہ نہ ہو۔ اب عوام کو اگر متنفر کر لیا ہے، اگر عوام پر مسلط ہوگئی ہے تو پھر بیرونی طاقتوں کے سہارے پر یہ فوجیں مجبور ہو جایا کرتی ہیں اور یہی وہ راز ہے جسے سمجھ کر غیر قومیں غریب قوموں پر حکومت کرتی ہیں۔ فوج کو رشوت دینا سکھاتی ہیں، فوج کے چند افسروں کو ظلم کرنا سکھا دیتی ہیں اور اُن کے سپرد

طاقت کر دیتی ہیں۔ پھر وہ جوں جوں بھی ظلم میں بڑھتے ہیں وہ مجبور ہوتے ہیں کسی بڑی طاقتور قوم کا سہارا لینے پر اور جن لوگوں نے اُن کو مسلط کیا ہو وہ اُن کی طرف جھکتے ہیں اور مزید یہ تعلق بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کے اپنا ہی ملک، اپنی ہی فوج کے ہاتھوں ایسی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے جس کے ٹوٹنے کے آثار نظر نہیں آتے اور جب آزادی کی باتیں ہوں بھی تو سودابازی کی باتیں ہو رہی ہوتی ہیں آزادی کی باتیں نہیں ہو رہی ہوتی۔

چنانچہ آپ نے ایک بیان پڑھا ہوگا پاکستانی وزیر کا کہ ہم ترکی کے نظام حکومت کی طرز پر فوج کو جمہوریت کا مستقل حصّہ دار بنالیں گے۔ کیا مطلب ہے اس بیان کے پیچھے کیا بات ہے۔ وہی کمزوری بنیادی طور پر۔ آپ کو علم ہے یقین ہو چکا ہے کہ یہ فوج غالب آگئی ہے اور اس فوج سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لیے بطور رشوت، بطور ضمانت آپ اپنے ہاتھ سے اپنی رگ گردن اُن کی اُنگلیوں میں تھما دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اچھا ہماری گردن پر ہاتھ رکھ لو یعنی 8th Amendment کی دوسری شکل ہے یہ۔ فکر نہ کرو ہم بھاگ کر کہیں نہیں جاتے۔ لعنت ہو ایسی آزادی پر، ایسی جمہوریت پر۔ یہ جمہوریت لے کر آپ عوام کے سامنے اُبھریں گے۔ عوام اگر ہوشمند ہو تو اس جمہوریت کے منہ پر تھوکیں بھی نہیں۔ یہ غلام جمہورت ہے۔ صرف مشکل یہ ہے کہ ان کو طاقت میں آنے کی جلدی ہے۔ بے چین ہیں کسی طرح ہم طاقت کے اوپر آجائیں۔ ذرا صبر کریں میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہ صبر کا نمونہ دکھائیں اور سمجھانے سے کام لیں، عوام کو گلیوں میں نہ نکالیں تا کہ اُن کا خون ہو، کوئی ضرورت نہیں ہمیں اتنی بڑی قربانی دلوانے کی عوام سے جو پہلے ہی مظلوم اور مارے ہوئے ہیں بیچارے ستم رسیدہ ہیں۔ اُن کو کہاں آپ اپنی فوج سے ٹکراتے رہیں گے۔ عقل سے کام لیں، تحمل سے کام لیں، معاملات کا صحیح تجزیہ کریں، اُن کو سمجھائیں کہ یہ کچھ ہو رہا ہے اور مذاکرات کریں۔ امریکہ سے بھی اسی طرح روشنی کے ساتھ مذاکرات کریں کہ دیکھو اگر تم باز نہیں آؤ گے تو پھر ہم مجبور ہو جائیں گے، جب ہمیں یہ پتا لگے گا کہ تمہارے ہاتھوں ہمیں مار کھانی ہی کھانی ہے۔ تو پھر ہم مجبور ہوں گے پھر جو بھی کریں گے ہم آزاد ہیں اس میں اور پھر تم خود اُس Polorisation کو پیدا کرنے والے ہو گے جس میں دن بدن سارا ملک Left کی طرف جھکتا چلا جائے گا اور بائیں بازو کی طاقت بنتا چلا جائے گا اور جب یہ ہو جائے گا اُس وقت پھر روس کے پاکستان میں آنے سے، روس کو دنیا کی کوئی

طاقت روک نہیں سکتی۔

یہ یونہی وہم ہے کہ روس ابھی خود ہاتھ چھوڑ کے چلا گیا اور کمزوری کا نشان ہے۔ ہرگز کمزوری کا نشان نہیں روس کی عالمی Policies تبدیل ہو رہی ہیں۔ روس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ جب تک نیوکلیئر ڈیٹرنس موجود ہیں اور اُس میں ہمارے مخالفانہ طاقتوں کو برتری حاصل ہوتی چلی جارہی ہے۔ یعنی ایٹمی آلات میں، اُس وقت تک ہمارے Conventional Weapons یعنی جو روایتی ہتھیار ہیں اُن میں برتری ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یعنی ایک اور تین کی نسبت ہے روسی افواج کو اور اُن کے ہتھیاروں کو جہاں تک پرانے رسمی ہتھیاروں کا تعلق ہے۔ امریکہ اور یورپ کی ساری طاقتیں مل بھی جائیں تو تب بھی روس کی رسمی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن کیا فائدہ اس برتری کا اگر عالمی طور پر Atomic Deterrent موجود ہیں، بین الاقوامی طور پر Atomic Deterrent موجود ہیں۔ یعنی کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ایٹم بم دونوں طرف ہلاکت کا پیغام بن سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنی پالیسی تبدیل کی ہے۔ یہ اب پہلے ایٹمی ڈیٹرنٹ کو ہٹائیں گے اور اُس فضا کو صاف کریں گے جہاں سے ایٹمی بم ان کے لیے خطرے کا موجب بن سکتے ہیں۔ خواہ وہ مقابلةً امریکہ کے لیے خطرے کا موجب ہوں۔ یہ فضا صاف ہو جائے گی، چین سے تعلقات درست ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی سیاست اُبھرے گی۔ اگر یہ واقعات رونما ہو جائیں، اگر حالات میں اور کوئی تبدیلیاں پیدا نہ ہوں جو اس سیاست کا رخ بدل دیں۔ تو پھر روس اگر چاہے کہ پاکستان یا ہندوستان کو آناً فاناً اپنے قبضے میں کر لے تو یہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ جی افغانستان سے نکال کر ہم نے بہت بڑا کمال کر دیا ہے وہ ان کے لیے بہت بڑی Surprise پڑی ہوئی ہے۔ روس کی اتنی بڑی طاقت ہے کہ مشرقی یورپ کی عظیم الشان طاقتوں نے جب اس کو نکالنے کی کوشش کی تو چند گھنٹوں میں وہ تباہ کر دی گئیں۔ بعض چند دنوں میں بعض چند گھنٹوں میں۔ اس لیے اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں آپ کا ایک ہمسایہ بہت بڑا طاقتور ہمسایہ ہے۔ وہ ساتھ جڑا ہوا ہے۔ امریکہ آپ سے دور ہے وہ چاہے بھی تو اُس وقت آپ کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔

ایک دفعہ قائداعظم جب حیدرآباد دکن تشریف لے گئے تو وہاں بہادر یار جنگ صاحب سے اُن کی گفتگو ہوئی۔ بہادر یار جنگ صاحب ان کے ساتھی تھے اور ہمیشہ اُن کا ساتھ دینے والے تھے لیکن انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم یہاں الگ اپنی آزادی کا اعلان کر دیں اور

پاکستان ہماری حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ ہمیں آپ سے آپ کے ارادوں پر تو کوئی شک نہیں مگر حالات بڑے خطرناک ہوں گے کہ چھوٹی سی ایک ریاست ایک بڑی طاقت کے درمیان گھری ہوئی اپنی آزادی کا اعلان کردے اور پاکستان دور بیٹھے اُس کی حفاظت کا ذمہ دار ہو جائے۔ تو قائداعظم نے جواب میں کہا کہ ہم تمہاری مدد کو آئیں گے اگر ایسا ہوا، ہماری Comitment ہے۔ اُس پر بہادر یار جنگ نے غالب کا یہ شعر پڑھا کہ

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک (دیوان غالب صفحہ:۱۳۶)

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ تم تغافل کرو گے تم تو ایک بااصول راہنما ہو ہرگز اپنے وعدے سے پیچھے نہیں ہٹو گے لیکن دشمن اتنا قریب اور اتنا طاقتور ہے کہ تمہیں خبر ہونے سے پہلے پہلے ہمیں ملیا میٹ ہو جائیں گے چنانچہ جب وقت آیا تو بالکل یہی بات ہوئی۔

اس لیے روس کے ساتھ ہمارا جو قرب ہے جغرافیائی اُس کا یہ نتیجہ نکل رہا ہے تو اس ملک کو بھی دشمن ہم نہیں بنا سکتے۔ امریکہ کو صاف بتانا پڑے گا کہ تمہاری خاطر ہم کوئی ایسی پالیسی اختیار نہیں کریں گے جس کے نتیجے میں ہمارا یہ بڑا طاقتور ہمسایہ ہمارا دشمن بن جائے۔ اپنی سوچ میں پختگی پیدا کریں، بلوغت پیدا کریں اور اس بات سے بے نیاز ہو جائیں کہ آپ اس دفعہ طاقت میں آتے ہیں کہ نہیں۔ اگر تمام سیاسی لیڈر ایم آر ڈی کے نیچے ہیں کسی اور جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہو کر پختہ سوچ کے ساتھ ان امور کو فوج کے سامنے رکھیں، ٹھنڈے دل کے ساتھ مذاکرات کی شکل میں امریکہ کے سامنے رکھیں، روس کے سامنے رکھیں۔ تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان صبح پاکستان کے لیے طلوع ہو گی۔ پاکستان کے اندر وہ بنیادی طور پر قوت موجود ہے یعنی انسانی قوت وہ موجود ہے جس میں لامتناہی ترقیات کے عناصر موجود ہیں۔ اس لیے ہمیں دعا بھی کرنی چاہئے۔ یہ جو مباہلے کے نتیجے میں ایک خدا تعالیٰ کی طرف سے معجزہ رونما ہوا ہے۔ ہمیں یہ دعا کرنی چاہئے کہ اس قوم کے لیے روحانی برکتوں کا ہی موجب نہ بنے بلکہ دنیاوی برکتوں کا بھی موجب بن جائے کیونکہ دشمنیاں تو مقصد نہیں تھیں۔ کسی کی ہلاکت کے سے خوش ہونے والے لوگ ہی نہیں۔ اس مباہلے کے نتیجے میں جو اعجازی نشان ہے ہمارے لیے مزید خوشیاں لے کے آئے گا مزید روشنیاں لے کے آئے گا اور اس کے نتیجے میں قوم روحانی لحاظ سے بھی فائدہ اُٹھائے اور دنیاوی لحاظ سے بھی فائدہ اُٹھائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے (آمین)